جزئی وکلی سیاق کا باہمی ربط

(لفظِ قرآن کی دلالت کے تناظر میں)

مضمون نگار: مسعود صحراوی

تلخیص: عبدالباسط پتافی

چند باتیں

جناب مسعود صحراوی جزائر کی جامعہ اغواط میں عربی زبان کے استاذ ہیں۔

آپ کا یہ مضمون المناهج الحديثة فى الدرس القرآنى میں جدلية السياق الكلى و السياق الجزئى فى فهم دلالة اللفظ فى القرآن کے نام سے چھپا ہے جو مختلف اہل علم کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

ہم نے اسی کتاب سے اس مضمون کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی تلخیص پیش کر رہے ہیں اور ہمارا ان کی تمام باتوں سے اتفاق ضروری نہیں مگر اس طرح کی علمی کاوشوں کو اردو میں اس لیے ڈھالا جارہا کہ ہم اپنی آئندہ کی ابحاث کے لیے ایک بنیاد و اساس استوار کر سکیں۔

نوٹ: یہاں جتنے حوالے دیے گئے ہیں وہ سب اصل مضمون ہی سے ماخوذ ہیں۔

تمہید: اس مضمون کا مقصد وہدف

ہم اگلے صفحات میں دو چیزوں پر توجہ مرکوز رکھیں گے:

اول: سیاق جزئی وکلی کے مابین تکاملی جدلیت

دوم: عربی تاویل کا قانون

ہماری ان دونوں پر توجہ اس مقصد کے تحت ہو گی کہ ہم قرآن کے الفاظ کی دلالتوں کی تحدید کر سکیں۔

پس ہمارا مقصد قرآن کی سیاق کے تناظر میں قرائت کرنا اور اس کے علمی مفاہیم کو اجاگر کرنا ہے لیکن زبان کے ساختیاتی قوانین کو بغیر مجروح کیے۔

1۔ ہماری تراث اور لغوی سیاق

ہمارے قدیم علماء نے اس اہم اور صائب قاعدہ کی جانب اشارہ کیا ہے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔(1)

یہ وہ طریقہ ہے جسے آج ہم "منہج سیاقی" کے نام سے جانتے ہیں جس میں نصوص کے فہم اور سمجھنے کے لیے سیاق کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

آج کے جدید و معاصر ماہرین لسانیات کا ماننا ہے کہ لفظوں کے معنی کی تحدید اور ان کی دلالتوں کا ضبط سیاق ہی سے ممکن ہے۔

ہمارے قدیم علماء بھی سیاق کی اس جہت سے بخوبی واقف تھے چنانچہ ابن قیم (ت 751ھ) کہتے ہیں:

"بے شک سیاق ہی مجمل کی تبیین، احتمالات کی تعیین، قطع کہ دوسرا احتمال مراد نہیں، عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید وغیرہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

اور یہ متکلم کی مراد پر دلالت کرنے میں تمام قرائن میں سے زیادہ اہم ہے اور جس نے اسے ترک کیا اس نے غلطی کی اور مناظرے میں مغالطہ کیا۔" (2)

اس اقتباس میں دو چیزوں کی جانب اشارہ ہے:

الف: سیاق اصغر یا خاص سیاق

ب: سیاق اکبر

پہلی قسم میں ہم ایک ہی آیت کے سیاق یا اس سے پہلے کی آیت یا آیات کو پیش نظر رکھ کر کسی آیت کے لفظوں کی تحدید کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم میں ہم ایک سیاق کی تفسیر دوسرے سیاق کرتے ہیں۔

سیاق اکبر کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: پورے قرآن کو سامنے رکھ کر کسی قرآنی نص وعبارت کو سمجھنا

دوسری صورت: کسی سورت کے آخری حصے کو بعد والی سورت سے جوڑنا جسے "علم المناسبت" بھی کہتے ہیں۔

ہم اپنی تراث میں دیکھتے ہیں کہ قدیم علماء نے سیاق اصغر کو تو اہمیت دی مگر سیاق اکبر کی جانب خاص توجہ نہیں دی۔

2۔ سیاق لغوی اور معاصر علم

جدید و معاصر علم نے سیاق کے باب میں کئی ایک اضافے کیے ہیں۔

ان کا ماننا ہے کہ سیاق پہلے سے مقرر اور طے شدہ چیز کا نام نہیں ہے بلکہ فہم کے دوران ہی سیاق بن رہا ہوتا ہے۔

معاصر علم کا یہ نظریہ **"موزونیت"** تین بنیادوں پر قائم ہے(3):

اول: گذشتہ جملے یا اقوال

جب ہم کوئی بات سنتے ہیں تو ہم بعد والی باتوں کو پہلے والی باتوں سے جوڑ کر ایک سیاق قائم کرتے ہیں۔

دوم: فــزیکل ســیاق

جہاں بھی گفت وشنید ہو رہی ہوتی ہے وہاں کا ماحول بھی سیاق بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔

جیسے بارش ہو رہی ہو اور کوئی کہے سنبھل کر چلنا۔

سوم: پہلے سے ذہن مــیں موجود مواد

ہمارے پاس پہلے سے **معلومات** اور چیزوں کا ذخیرہ ہوتا ہے جو ہمیں سیاق قائم کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

اس "**موزونیت**" کی تحدید دو واسطوں سے ہوتی ہے:

پہلا: سیاقی اثرات

ہمارے پاس پہلے سے موجود معلومات چاہے قدیم ہو یا جدید وہ مدد دیتی ہے کہ ہم کسی بات کے اچھے، برے یا اس کے اثبات و نفی میں کردار ادا کر سکیں۔

دوسرا: جہد معرفی

ہم کسی نص، متن یا بات کو سمجھنے کے لیے اگر زیادہ ذہنی توجہ خرچ کرنے پر مجبور ہوں تو وہ کلام کم **موزونیت** کا حامل ہو گا اور اگر ذہنی محنت کم لگے تو کلام زیادہ "**موزونیت**" کا حامل ہو گا۔

جیسے: شاگرد پوچھے کہ کل درس ہو گا؟ استاد کہے: ہاں ہو گا۔

یہاں ذہنی مشقت کم ہوئی لہذا موزونیت زیادہ ہے مگر استاد کہے:

افلاک کے اثرات تو یہی کچھ بتا رہے ہیں۔

اب ذہنی مشقت زیادہ ہے تو کلام کی موزونیت کم ہو گی۔

تاہم واضح رہے کہ ذہنی مشقت سیاق، آپس میں ہمکلام ہونے والوں کے تعلق اور سطح سے بدلتی رہتی ہے۔

3۔ عربی تاویل کا قانون

عربی زبان کا سیاق کلام کے تسلسل اور اس میں موجود ترکیبی نظم سے وجود پذیر آتا ہے۔

اس کو یوں سمجھیے کہ عربی کلمات (اسم، فعل و حرف) میں نہ نظم ہوتا ہے اور نہ کوئی متعین ترتیب ہوتی ہے لہذا جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک سیاق و نظم وجود میں آتا ہے۔

اسی لیے اسم کبھی فعل کا فاعل تو کبھی مفعول بنتا ہے، کبھی ایک اسم دوسرے کے لیے مبتدا یا خبر واقع ہوتا ہے اور کبھی وصف بن کر تابع ہو جاتا، یوں فعل بھی کبھی شرط کبھی جزاء تو کبھی خبر بن جاتا ہے اور حرف الگ الگ معنی کے تحت آتا رہتا ہے۔

پس عربی نحو کا جو اسلوب اور نظام ہے وہ بہت ہے جس سے روگردانی ممکن ہی نہیں ہے اور نہ مخالفت قبول کی جاسکتی پس ہم کہہ سکتے ہیں:

"ہر وہ فہم جو عربی تاویل کے قانون سے متصادم ہو وہ فاسد فہم ہے"۔

قانونِ تاویلِ عربی سے مراد:

ہماری اس سے مراد یہ ہے کہ نحوی قوانین کو اہمیت دی جانی چاہیے اور کلام کو لفظی، معنوی اور حالی قرائن سے سمجھا جانا چاہیے نیز صرفی، نحوی، لغوی اور دلالت کی جانب ملتفت رہا جائے۔

اور قرآن کی دلالت کو سمجھتے وقت اس سے اعراض و غفلت نہ برتی جائے جیسا کہ بعض معاصرین نے کیا ہے کہ آئیڈیو جالی کو اپناتے ہوئے نص کی تفہیم کی گئی ہے جس سے قائم شدہ نظریات نص پر حاوی ہو گئے ہیں جبکہ نصوص نظریات کے تابع نہیں ہوتیں بلکہ نصوص تو نظریات و عقائد کو بناتی ہیں۔

4۔ مثال

اگر ہم پہلے سے نظریہ قائم کر بیٹھیں تو عربی تاویل کے قانون کو روندتے ہوئے ہم نص پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔـا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ

فلسفی مرحوم ابو القاسم حاج حمد کہتے ہیں کہ اللہ کا فعل محض قدرت مطلقہ سے صادر نہیں ہوتا گو کہ اللہ اس پر قادر ہیں لیکن اللہ کا فعل تین مراحل سے گزرتا ہے:

سب سے پہلے امر ہوتا ہے اس کے بعد ارادہ اور ارادہ متحقق ہو جائے تو شیئیت وجود میں آتی ہے۔(4)

ہم سوال پوچھتے ہیں کہ تحلیل لسانی کہاں گئی؟ یہ کون سے مفردات کی تحلیل ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے؟

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ یہ نظریہ باطل ہے بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہ تین مراحل آیت سے تو نکل ہی نہیں رہے۔

5۔ تاویل عربی کے قانون میں گنجائش

اس قانون کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ نصوص ایک خاص زمانے میں محدود ہیں اور نہ یہ قانون ضرورت سے زیادہ تاریخیت کو قبول کرتا ہے۔

لہٰذا اسلامی تراث میں علوم قرآن کے مباحث سے استفادہ کرنا ہو گا، نحوی، علم بیان و بلاغت، اصولی، کلامی اور فلسفی مباحث بھی پیش نظر رکھنا ہوں گے البتہ جدید و معاصر علم نے جن جن قوانین و قواعد کو غلط ثابت کر دیا ہے ان سے رفع ید بھی کرنا ہو گا اور جو لسانیات میں نئی تحقیق

آ رہی ہیں ان سے بھی حسب ضرورت استفادہ کرنا ہو گا۔

6۔ جزئی و کلی سیاق کا باہمی ربط یعنی کیا؟

ہم ان دونوں سیاق کے آپس میں تکاملی ربط کو سمجھیں گے جس جانب ہمارے قدیم علماء نے بھی تفسیر القرآن بالقرآن کے تحت اشارہ کیا ہے۔

جزئی سیاق میں ہم کسی ایک آیت ہی کے لفظوں سے کلام سمجھتے ہیں یا اس کے ارد گرد کی آیات کو ملا کر نتیجہ اخذ کرتے ہیں جبکہ کلی سیاق میں ایک حصہ کو کسی اور مقام کے حصہ سے سمجھا جاتا ہے۔

دلیل:

ایسا نہیں ہے کہ یہ کوئی اجنبی یا نئی چیز ہے بلکہ اس جانب تو خود قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے:

كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ

مفہوم: جیسا کہ ہم نے گروہ بندی کرنے والوں پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس آیت میں قرآن نے اپنی کلیت میں اخذ کرنے کی بات کی ہے اور یہاں قرآن کو عضین (ٹکڑے ٹکڑے کر دینے) کا مطلب ہے کہ انہوں نے قرآن کو مختلف حصوں میں بانٹا اور

بعض کو چھوڑ کر بعض پر ایمان لائے۔

اسی طرح قرآن کی وہ آیت بھی دلیل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر یہ قرآن کسی بشر کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف وتضاد پایا جاتا۔

مثالیں:

قرآن نے کئی مقامات پر "کتاب" کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن کہیں قرآن، کہیں نامہ اعمال، کہیں توریت وانجیل تو کہیں کتاب الہی یعنی تکوینی امور کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورہ بقرہ کی ابتدا میں کہا کہ یہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں جو متقین کے لیے ہدایت ہے۔

اس سے مراد قرآن ہے۔

سورہ حاقہ آیت 19 میں کہا: جن کو دائیں ہاتھ میں کتاب تھمائی جائے گی۔۔

اس سے مراد نامہ اعمال ہے۔

ان دونوں آیتوں کے لفظوں اور پہلے اور بعد کے مقامات دیکھیں جائیں تو کوئی ادنی شک بھی نہیں گزرتا کہ سورہ بقرہ میں کتاب سے مراد قرآن اور حاقہ میں کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے سو یوں سیاق جزئی کی مدد سے فہم قائم ہوا۔

کتاب کے ایک اور معنی بھی قرآن میں ہیں:

وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ (سورہ انعام آیت38)

ترجمہ از محسن نجفی: "اور زمین پر چلنے والے تمام جانور اور ہوا میں اپنے دو پروں سے اڑنے والے سارے پرندے بس تمہاری طرح کی امتیں ہیں، ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی پھر (سب) اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔"

یہاں کتاب سے مراد الہی کتاب یعنی تکوینی امور ہیں کہ جس میں اللہ نے حاضر و غیب کے علم کو ثبت کر رکھا ہے۔

اس فہم کی دلیل:

سب سے پہلے سیاق جزئی کی مدد لیں گے اور دیکھیں گے کہ آیت کتاب سے پہلے چوپایوں اور پرندوں کی بات کی گئی اور ان کو امتیں کہا گیا ہے جس سے ان کے کھانے، پینے، تاریخی، وجودی گو سب حقائق بیان ہوئے لہذا اس سیاق جزئی کی روشنی میں یہاں کتاب سے قرآن مراد نہیں لیا جا سکتا۔

سیاق کلی: کتاب سے تکوینی کتاب مراد لینے کی آیت قرآن کے ایک اور مقام پر بھی آئی ہے

وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَ مُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (سورہ ھود آیت6)

ترجمہ از محسن نجفی: "اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ اس کی جائے قرار کہاں ہے اور عارضی جگہ کہاں ہے، سب کچھ روشن کتاب میں موجود ہے۔"

یہاں بھی کتاب مبین (روشن کتاب) سے مراد قرآن نہیں بلکہ تکوینی امور ہیں جیسا کہ اس کے جزئی سیاق سے بھی واضح ہے۔(5)

نتیجہ:

پس جو بھی قرآن کی دلالتوں سے بحث کرنا چاہتا ہے وہ سیاق کے ساتھ ساتھ اس کی نحوی لغوی اور ترکیبی ساخت سے اعراض نہیں برت سکتا اور ہم سمجھتے ہیں کہ فہمِ نص میں اساس و بنیاد تاویل عربی کو ہی حاصل ہے جیسا کہ ہم کہہ آئے تھے: ہر وہ فہم جو تاویلِ عربی کے قوانین سے متصادم ہے وہ فاسد فہم ہے۔

حوالے

(1) البرهان فی علوم القرآن ج2 ص175

(2)بدائع الفوائد ج4 ص9 و 10

Moeschler (jacques) Introduction a la linguistique contemporaine-Armand Colin - Paris - 1998-p179(3)

(4) العالمیة الاسلامیة الثانیة/جدلیة الغیب والشهادة وا لانسان و الطبیعة

(5) مضمون نگار نے اس کی چند ایک مثالیں دی ہیں جیسے روح، امی اور مس۔

مگر ہم نے محض کتاب والی مثال دی ہے تاکہ اختصار رہے وگرنہ ان مثالوں کی اہمیت اور مبحث سے انکار نہیں۔